

بشیر احمد ڈار

زرتشت اور اس کا فلسفہ، اخلاق

وندیاد (فراروسی) میں جو زرتشتیوں کی مقدس کتاب اوستا کا ایک حصہ ہے، اس مذہب کے متعلق مندرجہ ذیل فقرات استعمال کئے گئے ہیں:

”جس طرح ایک بڑی ندی ایک چھوٹے نالے کے مقابلہ میں زیادہ تیز رفتاری سے بہتی ہے، اسی طرح زرتشت نبی کی یہ شریعت جو ارباب متفقہوں کی خدائی کو ختم کرتی ہے، اپنی عظمت، اپنی بھلائی اور خوبی میں تمام قوانین سے بالا ہے۔“

”جس طرح ایک بلند دیوالا دریا ایک چھوٹے پودے سے کہیں اونچا اور اس پر سایہ افکن ہے اسی طرح زرتشت نبی کی یہ شریعت اپنی عظمت، اپنی بھلائی اور خوبی میں باقی تمام قوانین سے بالا ہے۔“

”جس طرح آسمان اس دنیا سے کہیں اونچا اور اس کی تمام پہنائیوں کو گھیرے ہوئے ہے اسی طرح زرتشت نبی کی یہ شریعت جو دیوتاؤں کی خدائی کا خاتمہ کرتی ہے، اپنی عظمت، اپنی بھلائی اور خوبی میں سب قوانین سے بالا ہے۔“

جہاں تک اوستا کے اس بیان کا تعلق ہے اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔ اگر اس زمانے کے تاریخی حالات کا مطالعہ کیا جائے جب زرتشت نے اپنی قوم میں ایک نئے دین کی تبلیغ شروع کی، تو ہر صاحبِ فہم شخص ان الفاظ کی حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا۔

زرتشت کے صحیح زمانے کے متعلق بہت متضاد بیانات ملتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر محمد معین پروفیسر طہران یونیورسٹی کی تحقیقات کے مطابق اس کا زمانہ غالباً ۱۰۰۰ قبل مسیح زیادہ درست ہے۔ جس سرزمین میں وہ پیدا ہوا وہ مشرقی ایران کا حصہ تھا جو آج کل افغانستان میں شامل ہے۔ یہاں کے لوگ تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے۔ راہ زنی، غارتگری اور صحراگردی ان کا پیشہ تھا۔ شرک اور اس کے تمام لوازمات ان میں پورے طور پر موجود تھے، زراعت اور شہری زندگی کا رواج نہ تھا۔

مؤرخین کا خیال ہے کہ قدیم آریہ لوگ اپنے آبائی وطن میں توحیدی مذہب کے پیرو تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق تمام کائنات، چاند سورج، زمین سب کا خالق وہی خدائے مطلق تھا جس نے انسان کو بھی پیدا کیا۔ اس توحید

نذہب کا نام زرتشت کی بعثت سے بہت پہلے مردینا تھا یعنی وہ دین جو ایک خدائے حکیم (مزد) کی عبادت پر مبنی تھا لیکن مروریام سے اس میں تحریف ہونی شروع ہوئی اور ایک خدا کی جگہ بے شمار دیوتا آمو جو دہوئے۔ اسی دور میں زرتشت پیدا ہوا اور اس نے اپنی ساری زندگی اس مشرکانہ زندگی کے خلاف جہاد کیا اور اس کی بجائے ایک خدائے واحد کی عبادت پر ایک نئے دین کا آغاز کیا۔

اس کی تبلیغ سے اس زمانے کے لوگوں میں وہی تفریق پیدا ہوئی جو بعد میں ہرنہی کے آنے پر نظر آتی ہے۔ قوم کا ایک بالکل قلیل حصہ اپنی مشرکانہ زندگی سے تائب ہو کر قدیم توحیدی عقیدہ کی طرف پلٹ آیا لیکن اکثریت نے اپنی موجودہ روش سے جس پر اس کے آبا و اجداد مدت سے چلے آ رہے تھے، پلٹ آنا بے غیرتی سمجھا اور اس بنا پر زرتشت کی سخت مخالفت کی۔ چونکہ یہ مخالف گروہ شرک میں مبتلا تھا، اس لئے زرتشت نے ان کے خداؤں کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کی۔ لسانی اعتبار سے دیو کا لفظ قدیم آریہ اقوام میں دیوتاؤں کے لئے استعمال ہوتا تھا اور اسی لئے یورپ کی اقوام کی زبانوں میں بھی اسی لفظ سے ملتے جلتے الفاظ آج بھی موجود ہیں۔ انگریزی میں مروجہ لفظ *god* (خدا) اسی ماخذ سے آیا ہے۔ زرتشت نے توحید کے عقیدے کی حمایت میں اس لفظ کے اصلی مقدس مفہوم پر اتنا کامیاب حملہ کیا کہ اوستا کی زبان میں دیو کا لفظ بجائے خدا کے شیطان یا اہرمن کے لئے استعمال ہونے لگا۔ یہ گویا زرتشت کی نمایاں کامیابی کی ایک پانڈا اور زندہ مشاق ہے۔ اگر ایرانیوں اور یونانیوں کی جنگ میں جو قدیم آریاؤں ہی کے دو مختلف گروہ تھے ایرانیوں کو فتح ہو جاتی تو شاید دیو کے مفہوم کا تقدس جو اس وقت قائم ہے ہمیشہ کے لئے اسی طرح ختم ہو جاتا جس طرح ایرانی زبان میں ہوا۔ وندیاد کا مندرجہ بالا اعلان کہ زرتشت نبی کا دین باقی سب دینوں سے افضل و اعلیٰ ہے دراصل اس حقیقت کبرائے کا انکشاف ہے کہ ہر توحیدی دین خواہ اس کا پیغامبر کون ہو یا زرتشت، خلیل اللہ ہو یا کلیم اللہ، کلمۃ اللہ ہو یا رحمۃ اللعالمین، اپنی عظمت، بھلائی اور خوبی میں سب دوسرے مشرکانہ دینوں اور ارباب متفرقوں کی عبودیت پر مبنی عقائد سے افضل و اعلیٰ ہے اور اسی کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چل کر ہی صحیح کامرانی اور فلاح کا حصول ممکن ہے۔ زرتشت کا پیغام صحیح معنوں میں وہی تھا جو قرآن نے حضرت یوسف کی زبان سے اپنے قید خانے کے دو ساتھیوں کے سامنے پیش کیا۔

یا صاحبی السجن، ارباب متفرقون
خیر ام اللہ الواحد الواحد القہار
ما تعبدون من دونہ الا السماء
سمیتومہا انتم وایاؤکم، ما انزل اللہ
بہا من سلطان۔ ان الحکم الا للہ، امر

اے قید خانے کے میرے ساتھیو! کیا زیادہ دیوتا اور خدا بہتر
ہیں یا ایک طاقت والا خدا؟ تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف
نام میں جن کی کوئی حقیقت نہیں اور جن کو تم نے اور تمہارے
آباؤ اجداد نے بغیر کسی معقول دلیل کے وضع کر لیا ہے، صرف اللہ
ہی کی ذات ہے جس کا حکم جاری و ساری ہے۔ اس کا حکم ہے

ان لا تعبدوا الا اياها، ذالکم الدین القیم
 ولاکن اکثر الناس لا یعلمون (۱۲: ۳۹-۴۰)
 کہ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ یہی سیدھا اور صحیح
 دین ہے لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔

اس زمانے میں شرک کے علاوہ جادو اور نجوم کا بہت زور تھا۔ زرتشت کے متعلق جو روایات مشہور ہیں ان کے مطابق
 ایک دفعہ اس کے باپ نے اپنے ہاں ایک مجلس میں اپنے وقت کے ایک بہت بڑے کاہن اور جادوگر کو دعوت دی اور
 اس سے اپنا کمال دکھانے کی فرمائش کی۔ جب زرتشت کو معلوم ہوا تو اس نے احتجاج کیا اور التجا کی کہ ان بڑے راستوں کو
 ترک کر کے خدا کے واحد کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہی درحقیقت تمام انسانوں کا رب، مولا، قاضی الحاجات، بلحاظ
 مادے ہے۔ جادو کرنے یہ بات سن کر زرتشت کو اپنے جادو کی قوت سے ڈرانا چاہا لیکن اس خدا کے بندے نے اس کے
 جواب میں کہا: ”تیرا جھوٹ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میرے پاس ایک قاطع برہان ہے جس سے میں لوگوں کو اپنی سچائی
 کا یقین دلا سکتا ہوں اور تمہاری ایذا رسانی کا ڈر مجھے اپنے راستہ سے ایک انچ بھی نہیں ہٹا سکتا۔“ اس عظیم الشان
 قوتِ ارادی اور یقینِ محکم کے باوجود زرتشت اپنی مہم میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کا دل اپنے زمانہ کی گمراہیوں
 سے پریشان تھا، لیکن ابھی اسے خود ایک عین یقین کی ضرورت تھی۔ وہ حضرت موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار تھا۔ اسے
 اپنے دل کی آنکھوں سے اس حقیقت مطلقہ کے مشاہدہ کی تڑپ تھی تاکہ اس کے دل کی کلی مکمل طور پر کھل سکے۔ اس کی
 قوم صراطِ مستقیم سے بھٹک چکی تھی اور وہ اسے پھر سے اسی قدیم راستے کی طرف موڑنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ قدم اٹھانے سے
 پہلے اسے تجلی الہی کی ضرورت تھی۔ اسی اضطراب کی حالت میں زرتشت نے دنیا ترک کر کے پہاڑوں اور صحراؤں کی
 علیحدگی میں پناہ ڈھونڈھی جہاں وہ کائنات کی بوقلمبی کے مطالعہ سے ممکن ہے گوہرِ مراد حاصل کر سکے۔ عوام کی رہنمائی
 سے پہلے خود رہنمائی حاصل کرنے کے لئے اس نے عارضی طور پر تنہائی اور سکوت کو ترجیح دی کئی سال تک اس نے
 کائناتِ ارض و سما کی بظاہر بے زبان فضا سے باتیں کیں اور ان سے خالق کائنات کی ملاقات کا راستہ معلوم کرنا چاہا۔
 ”اے اہورا، میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں، مجھے اس کے متعلق ٹھیک ٹھیک آگاہ کرنا (شریعت۔ قانون) کو
 سب سے پہلے کس نے قائم کیا؟ کس نے ان ستاروں اور سورج کو اپنے راستے پر قائم کیا؟ کس کے حکم سے یہ چاند کبھی
 بڑھتا ہے اور کبھی گھٹتا ہے؟ اے خدائے حکیم، میں یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں سے آگاہی
 چاہتا ہوں۔“

”اے اہورا، میں تم سے سوال کرتا ہوں، مجھے اس کے متعلق ٹھیک ٹھیک آگاہ کر، وہ کون ہے جس نے زمین
 ہمارے قدموں تلے بچھائی اور آسمان کو بے سہارا ہمارے سروں پر قائم کئے ہوئے ہے؟ کس نے یہ پانی اور پودے پیدا
 کئے؟ کون ہے جس نے ہوا در بادلوں کو تند روی سکھائی؟ منس پاک و نفس پاک وہ فرشتہ جو خدا کی اولیٰ تخلیق ہے
 کو کس نے پیدا کیا؟“

”اے اہورا، میں تم سے سوال کرتا ہوں، مجھے اس کے متعلق ٹھیک ٹھیک آگاہ کر۔ وہ کون ہے جس نے یہ سوومند روشنی اور تاریکی پیدا کی؟ کس نے انسانوں میں سونا اور جاگنا پیدا کیا! وہ کون ہے جس نے صبح، دوپہر اور رات کا چلن شروع کیا اور جو انسان کو اس کے دینی فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ دلاتا ہے؟“

آخر کا جب کاٹنات کے خالق کی تجلی کا جذبہ بہت بڑھا تو ایک دن منش پاک ظاہر ہوا اور اس نے اس کی مراد بر لانے کا وعدہ کیا۔ ”زرتشت نامہ“ کے بیان کے مطابق فرشتے نے اس کا ارادہ پوچھا۔ ”زرتشت نے جواب دیا: میں اہورا کی رضا کا طالب ہوں۔ یہ دنیا اور وہ دنیا سب جگہ اس کا حکم کار فرما ہے۔ میں صرف سچائی کا خواہش مند ہوں۔ میں نے اپنے دل سے ہر قسم کی خواہشات اور سفلی جذبات کو نکال دیا ہے، میں اس کے حکم کا منتظر ہوں۔“ یہ سن کر منش پاک نے اس کی بہت بڑھائی۔ ”آنکھ مچھکنے میں اس کی روح ارض و سما کی پہنائیوں کو عبور کرتی ہوئی حرم پاک میں پہنچ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ دونوں کے درمیان صرف ۴۴ قدموں کا فاصلہ تھا۔ زرتشت نے کاٹنات کی تخلیق کا ملشا، خیر و شر کی کش مکش کی حقیقت کے متعلق سوالات کئے۔ اسے جنت و دوزخ کی حقیقت کا مشاہدہ بھی کرا دیا گیا۔ اس تجلی سے متور ہونے کے بعد زرتشت پکاراٹھا: ”اے اہورا مزدا، میں نے ابتدائے تخلیق سے ہی تم کو رحمان کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ وہ تم ہی ہو جس کی بخشش اور رحمت سے تمام انسانوں کو قیامت کے دن ان کے اعمال اور خیالات کا بدلہ ملے گا۔ بدی کے بدلے بدی اور نیکی کے عوض نیکی۔ اس تجلی اور عرفان کے بعد زرتشت کے دل میں وہ اطمینان و سکون نصیب ہوا جسکی اس کو تڑپ تھی۔ اس کے دل و دماغ سے تمام شکوک و شبہات دور ہو گئے اور وہ اپنی قوم کی راہنمائی کی مشکلات سے عبور ہونے کے قابل ہو گیا۔ زندگی کے تمام لاینحل سوال اور پیچیدگیاں حل ہو گئیں اور اب اس کے ذہن میں مولے ابلغ حق کے اور کوئی جذبہ نہ تھا۔ کئی سالوں کی محنت کے بعد اب اس کے سامنے اس کی زندگی کا مقصد واضح تھا۔ اس نے اپنی تنہائی، رعزت کی زندگی کو ترک کیا اور اپنے گھر کی طرف قدم اٹھائے تاکہ وہ اس مقدس فرض کو ادا کرے جو اس کے سپرد کیا گیا تھا۔ راستے میں روح نجیث یعنی ”انگرہ مینوہ“ (انگرہ) بد اور نجیث اور مینوہ جو فارسی میں مینوین گیا ہے، اس سے مراد عالم معنوی ہے) نے زرتشت پر حملہ کیا۔ اس کے سامنے ہر قسم کی دنیاوی آسائشوں کے سبز باغ دکھائے۔

لے اس سلسلے میں قرآن کی سورہ النبا کا پہلا رکوع قابل غور ہے۔ اس میں تقریباً ایسے ہی خیالات کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان آیات کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ خدا انسانوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: ”کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو سنجیں نہیں بنایا؟ ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو راحت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط کر کے، بنا کھڑے، بنا کھڑے کئے اور ہم ہی نے (سورج کی) روشن مشعل بنائی اور ہم ہی نے بادلوں سے زوگا پانی برسایا تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے غلہ اور روئیدگی اور گھنے گھنے باغ نکالیں“ (۴۰: ۲۰-۲۶)

لیکن زرتشت نے اس کی تمام پیش کشوں کو ٹھکرا دیا۔ نہیں، میں خدائے واحد و حکیم کی عبادت کا دین کبھی ترک نہیں کروں گا خواہ اس میں مجھے جان کی قربانی دینی پڑے۔“

لیکن ساہا سال تک اس کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جہاں کہیں اس نے بتوں کی پوجا اور بتاؤں کی پرستش، جادوگری اور نجوم کے خلاف آواز اٹھائی، اس کا مذاق اڑایا گیا، اس کی تضحیک کی گئی، ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ جب لوگ اس کا استقلال دیکھتے، جب جادوگروں کا ظلم اس پر اثر نہ کرتا، جب پروہت اور کاہنوں کے تمام ہتھیار اس پر کارگر نہ ہوتے تو لوگوں نے اسے کاہن اعظم یا جادوگر اعظم کا لقب دینا پسند کیا مگر اس کی سفیری، اس کی روحانی عظمت، اس کی اخلاقی برتری کے قابل نہ ہو سکے۔ ان کے لئے یہ تصور کرنا ممکن نہ تھا کہ ایک شخص جو ان کے درمیان پیدا ہوا، وہیں پروان چڑھا، وہیں زندگی گزارے، جو ان کی طرح کھاتا اور پیتا، چلتا اور پھرتا ہو۔ وہ کس طرح ایک اخلاقی پیغام کا حامل، خدائے برتر و دانا کا برگزیدہ رسول، ایک اعلیٰ و برتر زندگی کا نمائندہ ہو سکتا ہے؟ پھر جس بیچ پر وہ زندگی گزار رہے تھے، ایک خالص خانہ بدوشوں کی زندگی، جس میں نہ کوئی نظام تھا اور نہ اخلاق، محض لوٹ مار، کشت و خون، ڈو اور زنی اور صحرانوردی۔ آخر وہ اس طریقہ زندگی کو جو قدیم سے ان کے آباؤ اجداد سے پشت پا پشت سے چلی آرہی تھی، کیوں چھوڑ دیں؟ دوست و دشمن، اپنے اور بیگانے، سبھی نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا اور اس کو ہر قسم کی اذیتیں دیں حتیٰ کہ اس کی ہمت جواب دے گئی، اس کا اہلین قلب ختم ہو گیا اور وہ چیخ اٹھا۔ اس نے اسی خدائے بزرگ و برتر کی طرف توجہ کی۔ عیسائی ۴۶، ۱-۲ میں زرتشت لکھتا ہے: میں کس ملک میں جاؤں، کس طرف کا رخ کروں؟ میرے اعزہ و اقارب اور امراء نے میری بات سننا گوارا نہیں کی۔ نہ میرے لوگ میری طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ ظالم حکمران۔ ایسی حالت میں اے اہو زامروا، میں تیری رضا کو کیسے پورا کروں؟ اے مزوا، میں جانتا ہوں کہ میری ناکامی کی کیا وجہ ہے! میرے پیروؤں کی کمی ہی اس کا باعث ہے میں رنج و غم کی شدت میں تجھ ہی میں پناہ ڈھونڈتا ہوں اور تیری ہی مدد کا طالب ہوں۔ ایک مخلص دوست کی طرح میری مدد کر۔ نیکی کے راستے سے مجھے منس پاک کی فراوانی عطا فرما۔“

اس سے اس کے دل کو تسکین نصیب ہوئی اور وہ پھر اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس کا ایک رشتے کا بھائی اس پر ایمان لے آیا۔ لیکن اس کے بعد پھر وہی معاملہ ہوا۔ اس نے اس مسئلہ میں بہت غور و خوض کیا۔ اسے بتوں زرتشت نامہ خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ گشتا سپ بادشاہ کے دربار میں جائے اور اس کے سامنے حقیقت کا انکشاف کرے۔ دنیا میں تو اسے بہتر کوئی اچھائی نہیں اور تاریکی سے بدتر کوئی بدی نہیں۔ آدم اور ہشت کی تخلیق اسی نور سے ہوئی اور دوزخ کا وجود اس نور کے عدم کے مترادف ہے۔ ان دونوں دنیاؤں میں جہاں اور جس طرف تہ کیونگے وہاں میں اور نور و تجلی موجود پاوگے۔ گشتا سپ کے پاس جاؤ۔ اس کو میری کتب سناؤ اور خالص دین کی طرف دعوت دونا کہ

وہ نیکی، بھلائی اور نور کی طرف آسکے اور کوئی شخص مجھ پر ظلم و نا انصافی کا الزام نہ لگا سکے۔ میں خالص بھلائی و خیر میں اور دن رات اسی مقصد کے لئے کوشاں جو کچھ میری طرف سے علم تمہیں حاصل ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز چھپا کر نہ رکھو اور صبا کاسب گشتا سپ اور موبدوں کے سہنے پیش کر دو تاکہ وہ ابرہین کا رستہ چھوڑ دیں۔ اس کے بعد زرتشت نے بلخ کی طرف رخ کیا اور بڑی مشکلات کے بعد بادشاہ کے دارالسلطنت میں جا پہنچا۔ دین حق کے دشمنوں نے کوشش کی کہ اس طلبہ دارالاسانیت کی آواز بادشاہ تک نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ وہ کئی دنوں تک اسی تک و دو میں رہا۔ آخر کار ایک دن گشتا سپ نے اسے دربار میں بلایا اور اس کے آنے کا مقصد پوچھا۔ زرتشت نے اسے اہورامزوا کی عبادت کی طرف دعوت دی اور کہا: میں خدا کے واحد و برتر کا بھجوا ہوا ہوں۔ وہ خدا جس کے حکم و اطاعت میں یہ زمین و آسمان سر جھکائے اپنا فرض ادا کئے جا رہے ہیں۔ وہی ہے جو اس کائنات کا اور میرا اور تیرا سبھی کا خالق و رب ہے۔ وہی ہے جس نے ان کو زندگی دینے کے بعد ان کی خوراک کا بھی انتظام کیا وہی ہے جو اپنے تمام بندوں اور اپنی تمام مخلوق پر عنایات و بخششوں کی مسلسل بارش کرتا ہے۔ یہ ملک جس پر تم حکومت کرتے ہو یہ اسی کا ہے اور اسی نے تمہیں سوچنا ہے تاکہ تم اس پر امن و انصاف سے حکومت کرو۔ وہی ہے جس نے تم کو نعمتی سے اپنے امر سے ہست کیا اس لئے اسی کی فرمانبرداری تم پر واجب ہے بلکہ تمہارا اس کی باتوں سے بہت متاثر ہو اور قریب تھا کہ وہ اس کے دین کو قبول کر کے اہورامزوا پر ایمان لے آتا لیکن اس کے دربار کے پروہت، کاہن اور جادوگر اپنے آباؤی دین اور اس کے پیدا کردہ منافعوں سے اتنی جلد دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ انہوں نے زرتشت کو مناظرہ بازی کی دعوت دی۔ چونکہ انہیں امید تھی کہ شاید بادشاہ کے سامنے وہ ان کے من گھڑت دینیاتی مسائل اور نظریاتی گورکھ دھندوں کا جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ یہ مباحث تین دن تک جاری رہے۔ ایک طرف زرتشت کی سادہ تعلیم تھی جو ہر معقول انسان کے دل و دماغ میں اتر جانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ دوسری طرف وہی پیچ در پیچ اور الجھانے والے نظریات اور توہمات جو مسائل حیات کو سلجھانے کی بجائے انسان کو شکوک و شبہات کی تار بیک دادیوں میں جھٹکائے جاتے ہیں۔ آخر کار زرتشت کو فتح نصیب ہوئی اور تمام درباری پروہت اور جادوگر اپنا سامنے لے کر رہ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اب خیفہ سازشوں کا اہال پھایا۔ جس میں زرتشت کو پھنسا کر قید خانہ میں ڈلوادیا گیا۔

لیکن بہت جلد چند ایسے واقعات رونما ہوئے جس سے گشتا سپ کے تمام درباری بادشاہ کو مطمئن کرنے سے عاجز آگئے۔ اور بادشاہ کا یہ حال تھا کہ اس نے غم و فکر میں کھانا پینا تک چھوڑ دیا۔ اس حالت میں قید خانہ کے مہتمم نے حاضر ہو کر بادشاہ سے درخواست کی کہ زرتشت کو رہا کر کے اس سے مدد مانگنی چاہئے۔ شاید وہ یہ مصیبت ٹال سکے۔ اس طرح زرتشت

آزاد ہوا اور بادشاہ کی شکل حل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد اب اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ بادشاہ فوراً اہورا مزدا پر ایمان لے آیا اور اس کے بعد اس کی ملکہ اب دین زرتشت سلطنت کے سایہ میں پھلنا پھولنا شروع ہوا۔ پچاس سال تک زرتشت نے اپنے توحیدی دین کی اشاعت اور تبلیغ کی اور وہ دور دراز تک پھیلتا گیا۔ آخر کار وہ اپنے ملک اور دین کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوا۔

زرتشت کے دین کی دو خصوصیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بار بار زرتشت اپنے سننے والوں یا پڑھنے والوں کے ذہن کو مخاطب کرتا ہے۔ وہ انہیں زندگی کے مختلف مسائل اور کائنات کے مختلف مظاہر کا مطالعہ کرنے کے لئے عقل و ہوش کی دعوت دیتا ہے اور کسی جگہ بھی یہ مطالبہ نہیں ملتا کہ ان چیزوں کو اس لئے تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ کسی دیوتا یا خدا کی سند پر کہہ رہا ہے؟ اے عظیم قوم کے فرزندو، عقل و ہوش سے میری بات سنو اور میرا مشورہ قبول کرو۔ (دینائی، ۳۰) اس طرح اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ اپنے گوش ہوش سے اس بہترین دین کی طرف توجہ کرو، ہر آدمی اور عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی بھلائی کی طرف تیزگامی سے سبقت کرے۔ اس سیکلارڈر انداز اور طریقہ کار کا یہ نتیجہ تھا کہ اوستا کی مختلف کتابوں میں ہمیں کئی جگہ دوسرے بزرگان دین اور پیر و ان مذہب کی تعریف ملتی ہے۔ فروردین یشت میں ایک جگہ مذکور ہے: ہم ان سب نیک اور پرہیزگار مرد اور عورتوں کی توصیف کرتے ہیں جو خواہ کسی ملک میں پیدا ہوئے، جو ماضی میں تھے یا اب موجود ہیں جو پیدا ہو گئے، جو ایک نیک پیر ہیں، دوسری خصوصیت تعدد آلہ اور شرک کے خلاف ایک اعلان جنگ ہے۔ زرتشت کسی حالت میں بھی خدا کے واحد کی عبودیت کے معاملے میں کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس نے ایک ایسے دور میں توحید کا نعرہ بلند کیا جب اس کے چاروں طرف ہزاروں دیوتاؤں کی پوجا ہو رہی تھی۔ آسمان، چاند، سورج، ستارے، آگ، پانی، درخت وغیرہ سبھی خداؤں کی شکل اختیار کر چکے تھے اور اگر نہیں تھی تو صرف اس اہورا مزدا کی عبودیت جس کے آگے سر جھکانا اور جس سے مدد مانگنا ایک گناہ عظیم اور ایک ان دیکھا رواج سمجھا جاتا تھا۔ زرتشت نے ان تمام بندگیوں سے انسان کو آزاد کر دیا اور ایک خدا کے بزرگ و حکیم کے حضور میں لا کر اس کے ذہن و قلب کو پستی سے اٹھا کر اخلاق کی معراج تک پہنچا دیا۔ دینائی کی بارہویں فصل (ہائے) میں جو توحید کا اقرار ہر زرتشتی سے کرایا جاتا تھا درج ہے: ”میں اس دین میں اس لئے شامل ہوا ہوں تاکہ ویوؤں (یعنی باطل معبودوں کی عبودیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دوں۔ میں زرتشت کی تعلیم کے مطابق مزدا (عالم کل) پر ایمان کا اقرار کرتا ہوں۔ میں اہورا کی نازل کردہ شریعت کا پیر ہوں۔ یہ تمام کائنات اسی حکیم، عظیم، بنیہ و دانا اہورا مزدا کی تخلیق ہے میں تمام باطل خداؤں، شر اور بدی کے جموں، ابلیس اور اس کے شیطانی گروہ سے پناہ مانگتا ہوں، میں جادو اور دیگر قسم کے کالے علم کو مردود قرار دیتا ہوں۔ میں اپنے خیالات، الفاظ اور اعمال سے باطل خداؤں اور ان کے ماتنے والوں کی طاقت کو رد کرتا ہوں۔ اسی طرح اہورا مزدا نے زرتشت کو تعلیم دی اور اسی چیز کا زرتشت نے اہورا مزدا سے وعدہ کیا کہ وہ تعدد آلہ، شرک اور باطل خداؤں سے پناہ میں رہے گا۔ خود

قرآن کی ایک آیت میں مجوسیوں کے ذکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ توحید پرستی کے قائل تھے :

ان الذين امنوا والذين هادوا الصالحين والصالحات
والمجوس والذين اشركوا ان الله يفصل بينهم
يوم القيامة ان الله على كل شئ شهيد۔
وہ لوگ جو ایمان لائے یہودی، عسائی، عیسائی اور مجوس، اور وہ لوگ
جنہوں نے شرک کیا۔ خدا ان سب کے درمیان قیامت کے دن
فیصلہ کرے گا۔ خدا ہر چیز پر گواہ ہے۔

زر وشت کے دین کے متعلق دو عظیم الشان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ ایک آتش پرستی اور دوسری عقیدہ
ثنویت۔ ان غلطیوں کی نسبت کے کچھ وجود ضرور تھے لیکن یہ سارا معاملہ کم علمی اور نوجومجوسیوں میں لہجکی الحاقی چیزوں سے پیدا ہوئیں
جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے زر تشت نے خدائے واحد کی عبودیت کا اعلان کیا۔ اہورا کا لفظ زمانہ قدیم سے آریاؤں

میں خدا کے لئے استعمال ہوتا تھا چنانچہ رگ ویدوں میں اس کے لئے لفظ اشورہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح مزدا کا لفظ بھی
مستعمل تھا جس کی موجودہ شکل فارسی میں ایزد آج بھی مروج ہے۔ زر تشت نے ان دونوں لفظوں کو ملا کر مزدا خدا کے لئے
نام تجویز کیا۔ اہورا مزدا کے معنی ہوئے حکیم و دان، خالق و رب کائنات اہورا مزدا کا اطلاق بعض دفعہ کائنات کی قوتوں
کے لئے بھی ہوتا ہے لیکن یہاں وحدت وجودی تصور سے کوئی مشابہت نہیں۔ اہورا مزدا کائنات میں جاہمی و سماوی
ہونے کے باوجود اس سے ماوراء ہے۔ وہ خالق اعلیٰ، عین قوت و دانش ہے۔ وہ سرچشمہ خیر ہے، تمام تقویٰ اور نیکی کا
منبع۔ اوستا میں لفظ اشادیا (تہ) آتا ہے جس کے معنی خیر اور تقویٰ (اخلاقی و مذہبی) دونوں معنوں میں) دین حق و سعادت
کامل کے ہیں۔ اسی لفظ اشا سے اشادین بھی مستعمل ہے جس کے معنی مومن کامل، متدین اور متقی کہے ہیں۔ چنانچہ وندیہ
فرگردا بند اول میں اہورا کے اوصاف یوں درج ہیں: "خدائے دان، مینوئے پاک تر، آفریدگار جہاں مادنی ہمتس، بعض
جگہ "اشامزہ اہورا" بھی استعمال ہوا ہے یعنی وہ خدائے بزرگ و برتر جو شریعت پاک اور تقویٰ کا مظہر اعلیٰ ہے۔ کا تھا
میں ایک جگہ خدا کے متعلق زر تشت کہتا ہے: "اے مزدا، جب میں نے پہلے پہل تمہارا تصور کیا تو میرے نزدیک تو اس
کائنات کا اولین خالق تھا، منس پاک دیک تصور، کایا پ، اشاد خیر و تقویٰ کی شریعت) کا بانی، تمام انسانوں کے
اعمال کا محاسب۔ وہ زمان اور مکان کی قیود سے بالا، الہی وابدی، ہمیشہ سے موجود، تمام کائنات کا رب و مولا۔

"اے اہورا، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، مجھے ٹھیک ٹھیک آگاہ کر کیا وہ چیز جس کا میں اعلان کرنے والا ہوں
یا نکل سچ ہے؟ کیا اشاد (نیکی) اور اس کے بتائے ہوئے کام انسان کی آخر کار نجات کا باعث ہونگے؟ تم نے یہ زمین
کس کے لئے خوشیوں کا مرکز بنائی؟

"اے اہورا، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، مجھے ٹھیک ٹھیک آگاہ کر۔ کیا میں در ورج (دروغ یعنی بدی
کی روح) کو اشا کے سپرد کر کے، تمہاری محبت کے باعث ہمیشہ کے لئے نیرستا و نابود کر سکتا ہوں۔

اب میں صاف صاف اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص ہدایت کا طالب ہے اس کو چاہئے کہ غور سے سنے اور توجہ

دے۔ اب اہورا مزدا کا تصور کرو کیونکہ وہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اہرہمین میں اب قوت نہیں کہ لوگوں کو گمراہ کرے اور ان کو زندگی بخش راستوں سے اپنے فریبوں سے روک سکے۔

دینکرت میں ایک بگمندر جہ ذیل الفاظ میں خدا کی تعریف کی گئی ہے۔ "وہ بادشاہ ہے اور رعایا نہیں، وہ باپ ہے لیکن اس کی کوئی اولاد نہیں، وہ سردار ہے اور اس کا کوئی سردار نہیں، وہ غنی ہے اور فقیر اس کے پاس نہیں پھینکتا، وہ خود اپنی ذات میں عظیم ہے کسی ذریعہ سے علم حاصل نہیں کیا، وہ ہدایت کرتا ہے، بخشش اور رحمت کرتا ہے۔"

گاتھا میں خدائے بزرگ و برتر کی چھ مختلف صفات کو مجموعی طور پر امشہ شپنتہ یا امشا سپندان کہا گیا ہے۔

چھ صفات یہ ہیں :

(۱) وہ مومن (نفس پاک)۔ (۲) اشاد ہشتہ (قانون تقویٰ)۔ (۳) خشنزہ وائیرہ (قدرت کامل)۔ (۴) ارمیتھی

(عقل پاک)۔ (۵) ہوروات دکمال۔ (۶) امرتات (ایدیت)۔

گاتھا کے بیان کے مطابق ان میں سے ہر ایک اہورا مزدا کی کسی ایک صفت کا مظہر ہے اور ان میں سے ہر ایک کے سپرد اس کائنات کے کسی حصے کی پاسبانی اور حفاظت سپرد کی گئی ہے۔

لیکن بد قسمتی سے مروی زمانہ سے یہ چھ مظاہر اہورا مزدا کے ساتھ خود قابل پرستش تصور کئے جانے لگے اور اس طرح وہ مشرکانہ تصورات جن کی بیخ کنی کے لئے زرتشت نے اتنی کوشش کی تھی اس کے دین میں پھر سے داخل ہو گئے۔

اسی طرح زرتشت کے نزدیک آگ خدائی نور کی بہترین مثال ہے۔ تاریخی طور پر تقریباً ہر مذہب میں خدا کو نور یا آگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ کو خدا کی تجلی کا مشاہدہ آگ ہی کے ذریعے ہوا اور قرآن میں خدا کے لئے بہترین مثال یہی آگ ہے :

اللہ، نور السموات والارض

زرتشت نے اس آگ کو اپنی عبادت گاہوں میں بطور قبیلہ استعمال کرنے کا حکم دیا تھا کیونکہ آگ یا نور خدا کی تجلی کا بہترین مظہر ہے۔ آگ تمام تاریکیوں اور بد بوؤں کو زائل کرتی ہے اور اس طرح پاک اور نیکی کا راستہ ہموار کرتی ہے۔ زرتشت کے مطابق عبادت کا حقدار صرف خدائے پاک و بزرگ ہی ہے جس طرح مروی زمانہ سے چھ مظاہر صفات اہورا مزدا بعد میں خود خدایا بن گئے۔ اسی طرح آگ بھی مرکز ستائش و عبادت قرار پائی۔

لیکن زرتشت کا سب سے نمایاں مسئلہ نیکی اور بدی کا تصور ہے اور اسی تصور کی بنا پر اس کا دین اکثر دوسرے دینوں سے ایک بالکل علیحدہ انفرادیت کا حامل ہے۔ نیکی کے ساتھ ساتھ بدی، خیر کے ساتھ شرک و جود تو سبھی مفکرین نے تسلیم کیا ہے۔ یہ خیر و شرک کی کشمکش جس طرح خارجی کائنات میں موجود ہے، اسی طرح معاشرے میں اور

انسانی نفس کے اندر بھی اس کا وجود ویسے ہی خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے۔ نیکی، خیر اور بھلائی انسان کا مصلح نظر ہے۔ لیکن بدی اور شر کی وجہ سے یہ مقصد حاصل کرنے میں بڑی مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور اسی کشمکش سے ساری اخلاقی زندگی اور اخلاقی اقدار وجود میں آتی ہیں۔ اگر خدائے بزرگ و برتر خیر کل اور منیع خیر ہے تو یہ شر کیسے وجود میں آیا؟ یہ محض فلسفیانہ مسئلہ نہیں بلکہ انسان کی ساری مذہبی اور اخلاقی زندگی، اس کی فلاح و بہبود اس نجات کا دار و مدار اس سوال کے صحیح حل پر منحصر ہے۔

اس کشمکش خیر و شر کو سمجھنے کے لئے ہر زمانے میں مفکرین نے کوشش کی ہے۔ اس کا شاید بہترین اظہار ناصر خسرو کے مندرجہ ذیل اشعار میں پایا جاتا ہے :

باد خدا یا! اگر تروئے خدائی	گو ہر انساں ہمہ جمیل رشتی
چہرہ رومی و طلعت حبشی را	مایہ خوبی چہ بود و علت رشتی؟
طلعت ہند و روتے ترک چرا شد	ہم چو دل دو زخی و روتے ہشتی؟
از چہ سعید و فتاد و از چہ شقی شد	زا بد محرابی و کیش کشتی؟
چلیت خلاف اندر آفرینش عالم	چوں ہمہ را واپہ و مشاہدہ گوشتی؟

یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں اس شر کا مصدر ابلیس کو قرار دیا گیا ہے جس نے خدا کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا اور اس کے بعد شر کے طور پر ہمیشہ کے لئے نیکی اور خیر کے منبع سے رو کر دیا گیا۔ ابلیس نے مردود ہونے کے بعد اپنا انتقام انسان کو گمراہ کرنے سے لینا شروع کیا۔ لیکن ابلیس کا تعلق خدا کی ذات سے کیا ہے؟ اگر خدا محض خیر ہے تو ابلیس جو شر کا باعث ہے کہاں سے وجود میں آگیا؟ ان سوالات کو اگر آپ طول دیں تو خود بخود ایک قسم کی ثنویت ظاہر ہوگی جس میں ایک طرف خدا اور فرشتے ہیں اور دوسری ابلیس اور اس کا شیطان شکر۔ مگر یہ ثنویت محض عارضی ہے کیونکہ آخر کار ابلیس اپنی تمام قوت اور جہت کے باوجود خدا کے دائرہ اقتدار سے باہر نہیں جاسکتا اور اسی جگہ یہ ظاہری ثنویت بنیادی وحدت میں آکر گم ہو جاتی ہے۔ عبد الکریم الجلی نے انسان کامل کے باب اٹھ فصل ۲ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ نفس محمدیہ کو اپنی ذات سے پیدا کیا اور ذاتِ حق جامع ضدین ہے اس لئے دو ضدین اس سے منسحب ہوئیں۔ ملائکہ عالین تو برحیثیت جمال و نور و ہدایت اور ابلیس اور اس کے اتباع برحیثیت صفات جلال، ظلمت و ضلال کے نفس محمدی سے پیدا ہوئے۔ بالکل اسی طرح کامل زرتشت کے ماں ملتا ہے۔ ہورا مزدا کے دو مختلف مظاہر ہیں۔ ایک طرف سپنتہ مینو یعنی خرد مقدس یا جسے ہم نیکی کی قوت کہہ سکتے ہیں اور دوسری انگرہ مینو خرد خبیث یا بدی کی قوت۔ گاتھا میں جہاں کہیں انگرہ مینو کا ذکر آتا ہے وہ ہورا مزدا کے مقابل نہیں بلکہ سپنتہ مینو کے مقابل۔ چنانچہ نیناسی ۴۵ قطعہ ۲ میں مذکور ہے :

”اب میں ان دو گہروں (مظاہر کے متعلق کہنا چاہتا ہوں جو آغاز زندگی سے موجود تھے۔ ان میں سے گوہر پاک (یعنی خرد مقدس) نے گوہر خبیث (انگڑہ مینو) سے کہا کہ ہمارے خیالات و نظریات، خرد و آرزو، گفتار و کردار، دل اور روح باہم یگانہ و یکساں نہیں۔“

اسی طرح اہورامزدا کو اگرچہ بعد میں سپنتہ مینو کے ساتھ ایک ہستی سمجھ لیا گیا مگر یسائی کے باب ۱۹ میں اہورامزدا کہتا ہے ”ان دونوں گہروں میں سے گوہر نیک نے تمام پاکیزہ افراد سے کہا.....“ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہورامزدا ان دونوں قوتوں سے علیحدہ اور ماوراء ہے۔ اسی طرح یسائی ۴، ۲۵، ۹ میں مذکور ہے کہ اہورامزدا نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے خیر و شر، بھلائی اور بُرائی دونوں کو تخلیق کیا۔ ایک دوسری جگہ یسائی ۳۴ قطعہ ۱۲ میں زرتشت اہورامزدا سے رحمت و بخشش کی طلب سپنتہ مینو اور اس کے دیگر مظاہر کے واسطے سے کرتا ہے۔ کہتا ہے۔

”اے اہورامزدا! اپنے آپ کو مجھے دکھا، آرمنتی کے طفیل مجھے توانائی بخش، سپنتہ مینو کے واسطے مجھے طاقت دے، اشا کے توسط سے مجھ کو نیک پاداش سے بہرہ مند کر، دہومنہ کی طفیل مجھے توانائی دے۔“

اس نیک و بد کی مسلسل آدیریش سے انسان کی تمام زندگی کا نقشہ مرتب ہوتا ہے۔ انسان کا مقصد حیات کیا ہے؟ دنیا کے مختلف اخلاقی نظام اس مسئلہ کو مختلف شکلوں میں پیش کرتے ہیں۔ پہلا نظام تو وہ ہے جو بدی اور شر کو دنوراعتنا نہیں سمجھتا۔ اس نظریے کی رُو سے انسانی زندگی کا مقصد خوشی اور راحت حاصل کرنا ہے اور اس کا بہترین نمائندہ اپیکورس تھا۔ یہ خوشی اور راحت جسمانی ہو یا روحانی بہر حال اس کا اقصائیہ ہے کہ ہر وہ چیز یا ذریعہ جس سے انسان زندگی کے غموں کو فراموش کر سکے اور زیادہ سے زیادہ لذت پاسکے اختیار کئے جانے کے قابل ہے۔ تمام مادیت پرست اور وہ جو اگرچہ کسی مذہب کے پیرو ہوں لیکن جن کی نظر محض مادی اور خارجی مفادات تک محدود ہو سبھی اسی نظریہ حیات کے قائل ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی بس یہی چند روزہ زندگی ہے اس لئے سب سے بہترین استعمال جو اس کا کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ جتنا ہوسکے اس کی لذتوں سے بہرہ اندوز ہوا جائے۔

باہر بہ عیش کوشش کہ عالم دوبارہ نیست

لیکن ایسے فلسفہ حیات پر جو ماضی و مستقبل سے بے پروا ہو کر صرف عیش امروزی تک انسانی زندگی کو محدود کر دے کوئی صحت مند معاشرہ یا تمدن کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ راحت و خوشی کے دلدادہ انسان ہر حالت میں اس زندگی سے اکتا کر آخر کار خود کشی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی زندگی اور کائنات کی تخلیق میں کوئی معنویت نہیں ہوتی اور ہر طرف انہیں خلا ہی خلا نظر آتا ہے اور اس کا نتیجہ خاص قسوت میں تبدیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

دوسری قسم کا نظام اخلاق شر اور بدی کے وجود کو تسلیم تو کرتا ہے لیکن انسانوں کو مشورہ یہ دیتا ہے کہ اس سے فرار اختیار کیا جائے۔ تقریباً سبھی مذاہب میں روح اور بدن کی موجودہ یکجائی میں روح کو ایک اعلیٰ منصب اور

بدن کو نچلے درجہ کا منصب دیا جاتا ہے۔ بین اختلافات کے باوجود یہ تصور سب میں مشترک ہے کہ تخلیقی قوتوں کا سرچشمہ روح ہے اور جسم محض ان قوتوں کے اظہار کا ذریعہ۔ اس لئے جسمانی خواہشات پر قابو پانا اور ان کو اعلیٰ مقاصد کے تحت رکھنا ہر مذہب کی تعلیم کا جزو رہا ہے۔ لیکن بعض مذہبوں نے جسم اور مادہ کے متعلق ایک مبطلہ آسیر نقطہ نگاہ اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ جسم فطری طور پر بدی کا سرچشمہ ہے جو روح کی پاکیزگی کو آلودہ کر رہا ہے اس لئے ایسے ذرائع اختیار کئے جانے چاہئیں کہ یہ دشمنی ختم ہو جائے جب تک انسان زندہ ہے یہ ممکن نہیں تاہم کوشش کرنی چاہئے کہ انسانی روح جتنی جلدی بھی اس قید خانے سے نجات حاصل کر سکے بہتر ہے۔ اسی نظریہ کو صوفیاء کے اس قول میں بیان کیا گیا ہے۔

کہ موتو قبل ان تموتوا یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ مادے اور جسم کی اس فطری بدی کا اظہار ہندوستان کے اکثر نظام ہائے فکر میں ملتا ہے جس کا بہترین نمونہ بدھ مت ہے۔ سینٹ پال نے کہا تھا کہ گناہ کا بدلہ موت ہے لیکن بدھ مت اور ہندوستان کے اکثر فلسفیوں کا خیال ہے کہ گناہ کا بدلہ زندگی ہے۔ گناہ کرنے سے انسان کو موت نہیں آتی بلکہ ایک زخم ہونے والے آواگون کے چکر میں مبتلا ہو کر بار بار اس دنیا میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ یہ پکر صرف اسی حالت میں ختم ہو سکتا ہے جب وہ نیکی کی زندگی بسر کرنا شروع کر دے اور اس نیکی کا نتیجہ موت ہوگا اور اس طرح وہ اس زندگی کی مصیبتوں سے نجات حاصل کر سکے گا۔

اس مکتب فکر کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ یہ دنیا دکھوں اور پریشانیوں کا گھر ہے اور یہ پریشانیاں انسان کی فطری خواہشات اور تمناؤں کا نتیجہ ہیں۔ ہم ہر وقت کسی ایک نہ ایک خواہش میں مبتلا رہتے ہیں۔

کبھی دولت کی خواہش، کبھی شہرت کی، کبھی کھانے کی، کبھی سیر و سیاحت کی، غرض ہماری زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس جذبہ سے خالی نہیں اور اسی لئے ہم کو وہ سکون اور اطمینان کبھی نصیب نہیں ہو سکتا جس کی تمنا ہمارے یہاں غائض دل میں چھپی رہتی ہے۔ شوپن ہارا اسی نظریہ کا حامی تھا۔ اس کے نزدیک بنیادی چیز ارادہ ہے جو ہر انسان کو ہر وقت تنگ و دو میں مبتلا رکھتا ہے اور ایک ثانیہ کے لئے اس کو چین و سکون سے رہنے نہیں دیتا۔ ارادی قوت مختلف قسم کے اعمال سرزد ہوتے رہتے ہیں اور انہی اعمال کے تالے بانے سے ہماری آرزوئیں اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں اور یہ زخم ہونے والا سلسلہ انسان کی تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کا موجب ہے۔ اسی طرح یونان میں کلی مدد غلے کرنے اسی قسم کے خیالات پیش کئے۔ ان کے نزدیک انسانی خواہشات کی تسکین سے خوشی پیدا ہوتی ہے لیکن اگر کوئی خواہش پوری نہ ہو تو اس سے دکھ کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ خواہش کا نتیجہ گویا خارجی ماحول پر انحصار ہے اور خارجی ماحول پر قابو پانا یا اسے اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنا ایک ناممکن امر ہے اس لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات پر قابو پائے۔ منقراط کا قول تھا کہ نیکی خوشی کا بہترین ذریعہ ہے لیکن کلیوں کے نزدیک نیکی کا مفہوم صرف خواہشات سے مکمل آزادی ہے۔ اس کے برعکس سیرینیک (Serenity) مکتب فکر کے مطابق خوشی کا دار ازلہ

خواہشات سے آزادی نہیں بلکہ خواہشات کی تکمیل پر ہے البتہ انہوں نے اس چیز پر زور دیا کہ ہر انسان کو چاہئے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ خواہشات میں تفریق اور تیز کرے اور صرف پہلی قسم کی خواہشات کی تسکین کا خیال رکھے۔ لیکن عوام کے لئے اس طرح کی تیز نامکن تھی اور بلند رتبہ انسان بھی اکثر دفعہ اس تیز کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ چنانچہ ان کی تعلیم کا نتیجہ بھی وہی قنولیت تھا کہ پیدا ہونے سے نہ پیدا ہونا بہتر ہے اور اگر بد قسمتی سے کوئی پیدا ہو جائے تو اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے آپ کو ختم کر ڈالے۔

ایسے انسانوں کے لئے معاشرہ اور اس کے مختلف مطالبات بالکل بے معنی رہ جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ننگا صرف انفرادی ہے جس میں ہر آدمی کے لئے صرف اپنی نجات کا سوال ہے۔ اگر معاشرہ میں خرابیاں موجود ہیں اور دوسرے بے شمار انسان ہر قسم کے مظالم اور مفاسد کا شکار ہو رہے ہیں تو ان کے لئے یہ سب لغویات ہیں۔ ایسے خارجی مسائل کی طرف توجہ دینا مقصد حیات کے خلاف ہو گا۔ معاشرتی اصلاح، خیر و بھلائی کے کام، عوام کی فلاح و بہبود، تعلیم و تعلم کی کوششیں سبھی نیکی کی نہیں بلکہ بدی اور الجھنوں کو برطحانے والے اعمال ہیں۔ بہترین راستہ اگر ہے تو صرف ترک دنیا اور قطع ملائق دولت کمانے سے بہتر ہے کہ دوسروں سے مانگ کر پیٹ کے مطالبات کو پورا کیا جائے۔ شادی کر کے اپنے آپ کو دنیاوی معاملات میں الجھانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ خالص تجرد کی زندگی بسر کی جائے، صاف ستھرے رہنے اور اچھے پاکیزہ کپڑے پہننے کی بجائے بدن کو گندار کھنا اور پھٹے پڑے کپڑوں سے گزارا کر لینا، نفس پر قابو پانے کے لئے بہترین لائحہ عمل ہو گا۔

اس رہبانی نظریہ کے حاملین کی نگاہ میں مقصد زندگی یہ ہے کہ انسان ان تمام علاقوں اور پریشانیوں سے بالا ہو کر صرف خدا سے تعلق پیدا کرے اور اس مقصد کے لئے ہر قسم کی جسمانی ریاضتیں کی جائیں تاکہ صحیح علم اور صحیح طاقت حاصل ہو سکے۔ ان کے خیال میں عمل کی بجائے بے عملی یا صرف علمی کاوش کافی ہے اور جس شخص کو حقیقت کا مشاہدہ ہو جائے اس کی نجات یقینی ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں اس قسم کے انسانوں کی تعداد بے شمار ہے جنہوں نے مختلف زمانوں میں اس طریقہ پر عمل کر کے اپنے مقصد کو حاصل کیا۔ لیکن سوال یہ ہے کیا ان کی یہ تمام کوششیں انسانی معاشرے کے کسی کام آسکیں؟ کیا ان کے اس فعل سے بدی اور شر کی قوتوں میں کوئی کمی واقع ہو سکی؟ کیا ظلم و فساد، نا انصافی اور ناجائز استحصا کے خلاف کوئی کامیاب جہاد ظاہر ہو؟ و حقیقت یہ طریقہ کار سوائے انفرادی نجات کے اور کوئی فائدہ دوسرے انسانوں کو جہاں نہ کر سکا اور اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس نقطہ نگاہ کا مرکزی محور خود غرضی کے سولے اور کچھ نہ تھا۔ جب پیاروں طرف بدی کا چلن موجود ہو اور ایک شخص جو اپنے نفس کو بچانے کے لئے گوشہء عافیت تلاش کرے تو اس سے زیادہ انسانیت کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔

یہ ایسی غلط تصور کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی اس شخص کو زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو دنیاوی تعلقات کو ترک کر کے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سچ عورت میں گزار دے اور تسبیح و سجادہ کے مشاغل میں منہمک رہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص علیٰ زندگی میں نیکی اور بھلائی کے کاموں میں مشغول ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض کو پوری تندی سے

ادا کرتا ہو لیکن اس کی زندگی میں داخلیت خالص موجود نہ ہو تو وہ تقویٰ کے معیار پر پورا نہیں اُترتا، وہ لوگوں کی نگاہ میں "خدا رسیدہ" نہیں کہلا سکتا۔

قرآن کی نگاہ میں جو شخص ان تعلقات کو جس کی تحریم خود خدا نے قائم کی توڑتا ہے وہ فسق کا مجرم ہے؛

وَمَنْ يُضِلَّهُ إِلَىٰ الْفَاسِقِينَ، الَّذِي يَنْفَعُونَ
عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا
أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (۲: ۲۷۷)

خدا گمراہی میں اپنی کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں جو اللہ کے عہد کو مضبوط
باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے
کٹاتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، حقیقت میں یہی
لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

اسلام کی نگاہ میں زندگی کا مقصد محض انفرادی پوجا پاٹ یا مراقبہ و مشاہدہ نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان اس زندگی میں ہر ممکن طریقے سے معروف کو عام کرنے اور منکر کو مٹانے میں کوشش کرے، خیر کو ترقی دینے اور بدستحکم کرنے اور شرک کا استیصال کرنے میں ہاتھ بٹائے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو انفرادی نیکی میں بڑھ چڑھ کر ہوں لیکن نیکی اور بدی کی اس جنگ و کشمکش میں سست اور بے پرواہ ہوں ان کے تمام اعمال ضائع سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ غزوہٴ تبوک میں تین مسلمان اپنی سستی کے باعث شامل نہ ہو سکے۔ واپسی پر مسلمانوں نے ان کے ساتھ ۷۰ دن تک مکمل مقابلہ جاری رکھا اور یہ صرف اس لئے کہ خیر و شر کی جنگ میں حقہ نہ لینا گویا دین سے انحراف ہے۔ اسی طرح ایک دو جنگ اس خیال کا بھی اعادہ کیا گیا ہے کہ جنت صرف ان لوگوں کا حق ہے جو اس زندگی میں اس کشمکش خیر و شر میں پورے طور پر شامل ہوئے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتَلَّوْا بِالْجَنَّةِ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ
الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمِ الصَّابِرِينَ۔
(۱۴: ۲)

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ تو نبی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی
اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ
میں جہاد کرتے ہیں اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں؟

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ، الَّذِينَ
جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ
وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِجَبَةٍ۔

کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم چھوڑ ڈھے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی
نہیں جانا کہ تم میں سے کون لوگ اس خیر و شر کی جنگ میں حصّہ لیتے
ہیں، وہ لوگ ہیں جو خدا، رسول اور ان لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں جو
اس کشمکش میں خیر کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔